رضوان اللہ

قوّامیت کے تقاضے

شوہر بیویوں کے سربراہ ہیں اور ان کی سربراہی کی وجہ ان کی خداداد صلاحیت اور ان پر عائد کردہ بیویوں کے نان و نفقہ کی ذمہ داری ہے، یہ سب بیان کر دینے کے بعد اب یہ بتایا ہے کہ وہ کون سی دو باتیں ہیں جو اس سربراہی کے لازمی تقاضوں کی حیثیت سے بیویوں پر لازم آتی ہیں۔ فرمایا ہے: 'فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ'[1] (پھر جو نیک عورتیں ہیں، وہ فرماں بردار ہوتی ہیں، رازوں کی حفاظت کرتی ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے بھی رازوں کی حفاظت کی ہے)۔ سربراہی کے ان تقاضوں کو اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا تھا: مرد چونکہ سربراہ ہیں، اس لیے عورتیں اُن کی اطاعت اور ان کے رازوں کی حفاظت کریں۔ لیکن اس سادہ اسلوب کے بجائے ان تقاضوں کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: مرد چونکہ سربراہ ہیں، اس لیے جو نیک عورتیں ہیں وہ اُن کی اطاعت گزار ہوتیں اور ان کے رازوں کی حفاظت کرتی ہیں۔ یعنی اس اسلوب میں محض حکم ہی نہیں، اس حکم کے لیے ایک طرح کی ترغیب بھی بیان ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ مدعا بھی بیان ہو گیا کہ مرد کی اطاعت اور اس کے رازوں کی حفاظت بہر حال نیک عورتیں ہی کیا کرتی ہیں۔

اب ذیل میں قوامیت کے ان دونوں تقاضوں اور ان پر اٹھنے والے سوالات کو ہم ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہیں:

---

[1] یہ دونوں چیزیں قوامیت کے تقاضے ہی ہیں، اس کی دلیل اس جملے کے شروع میں آنے والا حرف 'ف' ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

پہلا تقاضا

'فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ': اس جملے میں ایک لفظ قنوت استعمال ہوا ہے کہ جس کا لغوی معنی اطاعت کرنا اور فرماں بردار ہونا ہے۔ یہاں یہ لفظ چونکہ عورتوں کے لیے آیا اور خاص مردوں کی سربراہی کے ایک تقاضے کے طور پر آیا ہے، اس لیے اس کا معنی ان عورتوں کا اپنے مردوں کی اطاعت کرنا اور انھی کی فرماں بردار ہونا ہے۔ مزید یہ کہ اس اطاعت کا ذکر مردوں کی اُس سربراہی کے ذیل میں آیا ہے جو بطور شوہر انھیں حاصل ہوئی ہے، اس لیے اس سے مراد لازمی طور پر مردوں کے ہر حکم کی نہیں، بلکہ شوہروں کے ہر حکم کی اطاعت ہے۔ یعنی مردوں کی ہر طبعی و ذوقی خواہش اور ان کے نفس کی ہر اُکساہٹ کو پورا کرنا عورتوں پر لازم نہیں ہے، بلکہ ان کے لیے صرف ان امور میں مردوں کی اطاعت لازم ہے جو خاندان کے ادارے سے براہ راست متعلق اور اس کو چلانے کے لیے از حد ضروری ہیں۔

'فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ' کا یہ مفہوم کہ جو نیک عورتیں ہیں، وہ اپنے شوہروں کی فرماں بردار ہوتی ہیں، بعض حضرات کو اس سے اتفاق نہیں ہے۔ ان کے نزدیک یہاں 'قنت' کا معنی تو اطاعت ہی ہے، مگر اس سے مراد کسی انسان کی نہیں، بلکہ خدا کی اطاعت کرنا ہے، یعنی اس جملے کا صحیح ترجمہ ان کے ہاں یہ ہے: نیک عورتیں وہ ہیں جو اللہ کی فرماں بردار ہوتی ہیں۔ 'قٰنِتٰتٌ' کے بارے میں یہ رائے قدیم اور جدید، دونوں ادوار میں بعض حضرات نے اختیار کی ہے۔ تاہم رائے میں اس اشتراک کے باوجود ان دونوں گروہوں کا طریق استدلال چونکہ باہم مختلف ہے، اس لیے ہم بھی ذیل میں ان پر الگ الگ تبصرہ کریں گے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اول الذکر حضرات نے اپنی رائے کے حق میں پہلا استدلال لغت کی کتابوں سے اور دوسرا قرآن مجید میں اس لفظ کے استعمالات سے کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس لفظ کے جو معانی اہل لغت نے نقل کیے ہیں، وہ سب کے سب خدا اور دین سے متعلق ہیں، جیسے خدا کی اطاعت، دعا اور عبادت، نماز و قیام اور طول قیام وغیرہ۔ اسی طرح یہ لفظ زیر بحث مقام کے علاوہ قرآن مجید میں جہاں بھی آیا ہے، صرف اور صرف خدا ہی کی ذات کے حوالے سے آیا ہے۔ چنانچہ اس لفظ کے معانی اور قرآن میں اس کے مواقع استعمال، یہ دونوں مل کر اس بات کی کافی دلیل ہو جاتے ہیں کہ 'فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ' میں بھی یہ خدا ہی کی اطاعت اور اسی کی فرماں برداری کے لیے آیا ہے۔

ان لوگوں کی رائے کے پس منظر میں جو بنیادی غلطیاں ہیں، ان کی اصلاح کے لیے ذیل کی کچھ باتیں مدنظر رہنی چاہییں:

پہلی یہ کہ 'قنت' کے وہ سب استعمالات جو دینی امور سے متعلق ہیں، عربی زبان میں واقعتاً موجود ہیں، مگر سوال

یہ ہے کہ ان کی بنیاد پر اس کے دوسرے استعمالات، حتیٰ کہ اس کے عمومی معنی کی بھی نفی کر دینا، یہ کس اصول پر جائز ہے؟ اور اگر یہ جائز ہے تو پھر ایسا کرنا ہر لفظ کے ساتھ جائز کیوں نہیں ہے؟ مثال کے طور پر 'عبد' کا لفظ بھی اپنے دینی استعمالات کی بنیاد پر انھی سے خاص ہونا چاہیے اور یہ بالکل ناجائز ہو کہ اسے غیر دینی معاملات، جیسے غلامی وغیرہ میں ہم استعمال کر سکیں۔

دوسری بات یہ کہ جس شخص کو عربی زبان کی شدبد ہے، وہ جانتا ہے کہ 'قنت' کا اصل معنی اطاعت کرنا ہے،[2] قطع نظر اس سے کہ وہ اطاعت اللہ کی ہے یا پھر غیر اللہ کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں اس لفظ کے دونوں استعمالات موجود ہیں، حتیٰ کہ خاص میاں بیوی کے تعلق سے بھی اس لفظ کے استعمال کی اہل لغت نے باقاعدہ مثالیں دی ہیں۔[3] لہٰذا 'قنت' کو صرف خدا کے ساتھ مخصوص قرار دے کر غیر خدا کے لیے اسے ممنوع ٹھیرا دینا، ایک طرح کا تحکم اور پھر اسی کی روشنی میں 'قٰنِتٰتٌ' کو خاص کر ڈالنا، ایسی جسارت ہے کہ جس کی کوئی قابل قبول توجیہ نہ علمی دنیا پیش کر سکتی ہے اور نہ عربی لغت کی کتابیں ہی۔

تیسرے یہ کہ قرآن جب کسی لفظ کو اس کے لغوی معنی سے اوپر اٹھا کر مخصوص دینی مفہوم میں استعمال کرتا ہے تو اس سے یہ قطعی طور پر لازم نہیں آتا کہ وہ لفظ اب اس نئے مفہوم سے خاص ہو کر اپنا اصل لغوی معنی کھو بیٹھا ہے یا پھر اس معنی کا قرآن میں برت لینا اب شرعاً ممنوع ہو گیا ہے، اس لیے کہ قرآن ہدایت کی کتاب ہے جو زبان کو محض ابلاغ کے ایک ذریعے کے طور پر استعمال کرتی ہے۔ زبان کی تخلیق اور اس میں بیان کی ندرتیں پیدا کرنا، اس کا اصل کام نہیں ہے۔ چنانچہ جہاں ضرورت داعی ہو گی، یہ لفظ کو اس کے لغوی معنی میں برتے گی اور جب موقع ہو گا، اس کو اپنے ہی دیے ہوئے مخصوص مفہوم میں استعمال کر لے گی۔ اس بات کی وضاحت کے لیے، مثال کے طور پر لفظ تقویٰ کو دیکھ لیا جا سکتا ہے جو بحیثیت دینی اصطلاح قرآن میں بکثرت آیا ہے، مگر اس کے باوجود عام بول چال میں بھی اور خود قرآن میں بھی اپنے لغوی معنی میں عام طور پر مستعمل رہا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

---

[2] حوالے کے لیے ابن درید کی ''جمہرة اللغة''، جوہری کی ''الصحاح''، ابن فارس کی ''مقاییس اللغة''، ابن سیدہ کی ''المحکم'' اور علامہ زبیدی کی ''تاج العروس''، مثال کے طور پر دیکھ لی جا سکتی ہیں۔

[3] جیسے اہل زبان کا یہ محاورہ: 'قنتت المرأة لبعلها أو لزوجها' کہ جسے ابن سیدہ نے ''المحکم''، ابن منظور نے ''لسان العرب'' اور علامہ زمخشری نے ''اساس البلاغة'' میں نقل کیا ہے۔ اور اسی طرح 'إمرأة قنوت' کی ترکیب بھی کہ جو آخر الذکر کتاب میں نقل ہوئی ہے۔

چوتھی بات یہ کہ قرآن میں جب ایک ہی لفظ متعدد جگہوں پر آئے تو اس سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ ہم ہر مقام پر اس کو ایک ہی مفہوم میں سمجھیں، وہ اس لیے کہ ہر دوسری کتاب کی طرح قرآن مجید بھی ایک ہی لفظ کو بہ تقاضاے کلام اس کے کئی پہلوؤں سے استعمال کرتا ہے۔کبھی لغوی معنی میں تو کبھی اصطلاحی معنی میں، کبھی عموم میں تو کبھی تخصیص میں یا پھر کبھی تجرید میں۔اب وہ شخص خدا کی اس کتاب پر نہایت ظلم کرے گا جو لفظ کے ان متنوع استعمالات سے صرف نظر کرتے ہوئے ہر مقام پر ایک ہی معنی کا اطلاق کر دے گا اور اس کے پاس اپنے اس غیر علمی رویے کی دلیل ہو گی تو بس یہ کہ اکثر مقامات پر یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔

اوپر کی ان سب باتوں سے ہماری غرض یہ ہے کہ 'فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ' میں آنے والا 'قنوت' کا لفظ نہ تو عربی زبان میں خدا کی اطاعت کے ساتھ خاص ہے اور نہ قرآن کے دیگر مقامات کی بنا پر یہاں بھی اس کو خدا ہی کے ساتھ خاص قرار دینے کا کوئی جواز ہے۔ یہ جملہ اصل میں شوہروں کی قوامیت کا تقاضا ہے، اس لیے اس کا صحیح ترجمہ یہی بنتا ہے کہ جو نیک عورتیں ہیں، وہ شوہروں کی فرماں بردار ہوتی ہیں۔

قدیم دور کے چند علمانے بھی 'قٰنِتٰتٌ' کا ترجمہ اللہ کی فرماں بردار عورتیں کیا ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا، مگر ان کے ہاں 'قنوت' کی لفظی بحث سے زیادہ 'قٰنِتٰتٌ' کے متعلق کی تعیین اصل مسئلہ ہے کہ وہ 'اَلرِّجَالُ' ہے یا پھر لفظ 'اللّٰهُ'۔ کیونکہ اس کو 'اَلرِّجَالُ' سے متعلق کریں تو ترجمہ یہ ہوتا ہے: جو نیک عورتیں ہیں، وہ اپنے شوہروں کی اطاعت گزار ہوتی ہیں۔اور اگر اسے لفظ 'اللّٰه' سے متعلق کر دیں تو مطلب یہ ہو جاتا ہے: جو نیک عورتیں ہیں، وہ اللہ کی اطاعت گزار ہوتی ہیں۔متعلق کی اس تعیین میں، جیسا کہ ہم جانتے ہیں، فیصلہ کن چیز اس کلام کے الفاظ اور اس کا سیاق ہی ہوتا ہے، اس لیے زیر بحث آیت اور اس کے سیاق میں جو ممکن وجوہ اس تعیین کے ہو سکتے ہیں، ان کا ذکر ہم ذیل میں کیے دیتے ہیں:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اول، بڑی سادہ سی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شوہر کو سربراہی دی تو پہلے اِس کے دلائل دیے اور پھر اس کے لازمی تقاضے، یعنی بیوی کی اطاعت گزاری کو بیان کر دیا اور بس۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو شوہر جو کہ سربراہ ہے، اسی کی اطاعت کے ذکر کو اس مقام سے واضح مناسبت ہے۔اس کے بجاے اللہ کی اطاعت گزاری کا بیان کرنا، اس کا یہاں کوئی موقع ہے اور نہ کوئی محل۔ یہ بات ایک اور طرح سے بھی کہی جا سکتی ہے۔'فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ' کے شروع میں ایک 'ف' ہے جو بہر حال زائد نہیں ہے۔اس کا حق اگر صحیح طور پر ادا کیا جائے تو یہ جملہ اصل میں مرد کی سربراہی کے لازمی تقاضے کا بیان ہے اور یہ تقاضا، ظاہر ہے اس کی اطاعت تو ہو سکتا ہے خدا کی اطاعت نہیں۔سو اس طرح بھی

واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں 'اَلرِّجَالُ' کا لفظ ہی 'قٰنِتٰتٌ' کا مفعول ہے۔

دوم، 'فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ' کے بعد 'حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ' کے الفاظ بھی قابل غور ہیں۔ ان کا ترجمہ یہ نہیں کیا جاتا کہ وہ عورتیں اللہ کے رازوں کی حفاظت کرتی ہیں، بلکہ سب کے نزدیک اس کا مفہوم یہی ہے کہ وہ شوہروں کے رازوں کی حفاظت کرتی ہیں اور ایک دوسری تاویل کے مطابق، وہ شوہروں کی غیر موجودگی میں ان کے مال و ناموس کی حفاظت کرتی ہیں۔ یعنی ہر دو صورت میں 'حٰفِظٰتٌ' کا متعلق 'اَلرِّجَالُ' ہی قرار پاتا ہے۔ چنانچہ 'قٰنِتٰتٌ' جو 'حٰفِظٰتٌ' ہی کی طرح 'فَالصّٰلِحٰتُ' کی خبر ہے اور بغیر حرف عطف کے آئی ہے، اس کا متعلق بھی وہی ہونا چاہیے جو 'حٰفِظٰتٌ' کا ہے۔ تالیف کلام یہ ہوگی: 'قانتات للرجال و حافظات لغیبهم'۔

سوم، ہماری علمی تربیت کے لیے قرآن مجید نے بہت سے مقامات پر یہ طریقہ بھی اختیار کیا ہے کہ وہ ایک مشفق استاد کی طرح پہلے تو کچھ چیزوں کو اجمال میں ذکر کرتا، پھر ان کی طرف کچھ اشارے کرتا چلا جاتا اور آخر کار انھیں بالکل کھول کر بیان کر دیتا ہے۔ زیر بحث آیت میں بھی یہی کچھ ہوا ہے۔ اس نے پہلے تو 'قٰنِتٰتٌ' کے مفعول کو حذف کیا ہے، پھر 'حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ' میں اس کی طرف کچھ اشارہ کر دیا ہے، اور اس کے بعد 'فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ' (اگر وہ عورتیں تم مردوں کی اطاعت کر لیں) کے الفاظ سے جس طرح 'قٰنِتٰتٌ' کا معنی کھول دیا ہے کہ وہ اطاعت کرنا ہے، اسی طرح اس کے مفعول کو بھی بالکل ہی واضح کر دیا ہے کہ یہ کوئی اور نہیں، بلکہ 'اَلرِّجَالُ' ہی ہے۔

چہارم، اس تعیین کی تائید میں ضمنی طور پر ایک اور بات بھی پیش کی جا سکتی ہے، وہ یہ کہ قرآن مجید کے پیش نظر اگر یہی بیان کرنا ہوتا کہ بیویاں اللہ کی فرماں بردار ہیں تو وہ 'قٰنِتٰتٌ' کو 'فَالصّٰلِحٰتُ' کی خبر نہ بناتا، بلکہ اس صورت میں 'فالصالحات القانتات حافظات' کا اسلوب زیادہ موزوں ہوتا، یعنی ''جو نیک عورتیں ہیں، وہ فرماں بردار ہوتی ہیں، رازوں کی حفاظت کرتی ہیں''، اس کے بجاے یہ کہا جاتا کہ جو نیک اور خدا کی فرماں بردار عورتیں ہوتی ہیں، وہ رازوں کی حفاظت کرتی ہیں۔

غرض یہ کہ آیت کے الفاظ اور اس کے سیاق سے واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ 'قٰنِتٰتٌ' کا متعلق 'اَلرِّجَالُ' ہی ہے۔ چنانچہ مذکورہ حضرات کی راے کے برعکس آیت کا صحیح ترجمہ یہی ہے کہ جو نیک عورتیں ہیں، وہ مردوں کی فرماں بردار ہوتی ہیں۔

دوسرا تقاضا

'حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ': یہ الفاظ قوامیت کا دوسرا تقاضا بیان کرتے ہیں۔ اس میں 'الْغَيْب' کا

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

لفظ آیا ہے جس سے مراد شوہروں کے راز ہیں۔ شوہروں کے راز اس لیے کہ اس کا ذکر انھی کی قوامیت کے ذیل میں اور انھی کی قوامیت کے تقاضے کے طور پر یہاں آیا ہے[4]۔ اس کے بعد 'بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ' کے الفاظ ہیں جو بیویوں کو رازوں کی حفاظت کی ترغیب دینے اور اس عمل کی تحریک پیدا کرنے کے لیے آئے ہیں، بالکل اسی طرح جیسے قرآن میں اس مقصد کے لیے جا بجا خدا کی صفات آیا کرتی ہیں[5]۔ اور اس اعتبار سے یہ محرک مزید ہیں کہ 'فَالصّٰلِحٰتُ' میں ایک طرح کی ترغیب پہلے ہی سے پائی جاتی ہے، جیسا کہ اوپر ہم نے بیان کیا۔ غرض یہ کہ اس پورے جملے کا مفہوم یہ ہے کہ جو نیک عورتیں ہیں، وہ جس طرح مردوں کی فرماں بردار ہوتی ہیں، اسی طرح ان کے رازوں کی بھی حفاظت کرتی ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے بھی رازوں کی حفاظت کی ہے۔

بعض حضرات 'حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَیۡبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ' کا مفہوم اس سے مختلف بیان کرتے ہیں، جو کچھ اس طرح ہے: جو نیک عورتیں ہیں، وہ شوہروں کی غیر موجودگی میں ان کے حقوق، یعنی ان کے مال اور اپنی عزت وغیرہ کی حفاظت کرتی ہیں، جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے یا اس لیے کہ اللہ نے بھی ان کے حقوق کی حفاظت کی ہے۔ ان کا بیان کردہ یہ مفہوم کیا آیت قرآنی کے الفاظ سے مطابقت اور اس کے سیاق سے کچھ مناسبت رکھتا ہے، اس سلسلے میں ذیل کی کچھ چیزیں ملحوظ رہنی چاہییں:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

پہلی یہ کہ اس رائے کو مان لینا اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے جب 'الۡغَیۡبِ' سے راز نہیں، بلکہ شوہروں کی غیبت، یعنی ان کی غیر حاضری کی حالت کو مراد لیا جائے، حالاں کہ عربی زبان میں یہ لفظ کسی مخفی اور پوشیدہ بات ہی کے لیے زیادہ مشہور ہے اور قرآن میں بھی بالعموم یہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے، اور جس مقام پر یہ ظرف کے معنوں میں آیا بھی ہے تو وہاں ظرفیت کی 'ب' کے ساتھ ہی آیا ہے۔ مثال کے طور پر 'ذٰلِكَ لِیَعۡلَمَ اَنِّیۡ لَمۡ اَخُنۡهُ بِالۡغَیۡبِ' اور 'مَنۡ خَشِیَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ' کی آیات میں[6]۔ لہٰذا زبان و بیان کی شہادت اور قرآن مجید میں اس کے طریق استعمال کی بنا پر ضروری ہے کہ یہاں بھی راز اور مخفی بات کے معنی ہی کو ترجیح دی جائے۔

---

[4] دوسرا احتمال اللہ کے رازوں کی حفاظت کا ہو سکتا تھا، مگر وہ اس لیے ممکن نہیں کہ اس بات کا اس سیاق میں کوئی موقع ہے اور نہ خدا کے اسرار کی حفاظت کرنا، یہ دین اسلام ہی کا کوئی مسئلہ ہے۔

[5] مثال کے طور پر، باطل طریقوں سے مال کھانے اور ایک دوسرے کو قتل کرنے سے روکا گیا تو اس کے بعد اسی طرح کی تحریک اور ترغیب ان لفظوں میں آئی ہے: 'اِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِکُمۡ رَحِیۡمًا'، ''اس لیے کہ تمھارا رب بھی تم پر بڑا مہربان ہے'' (النساء ۴:۲۹)۔

[6] یوسف ۱۲:۵۲۔ ق ۵۰:۳۳۔

دوسرے یہ کہ ہمارے اختیار کردہ ترجمے میں 'حٰفِظٰتٌ' کا لفظ 'اَلْغَیْب' سے حقیقی طور پر متعلق ہے اور اس تعلق کو واضح کرنے کے لیے کسی قرینے یا دلیل کی کچھ حاجت نہیں ہے۔ اس کے برعکس، معترضین کی رائے میں حقیقی کے بجاے ان دونوں میں مجازی تعلق کا دعویٰ کیا گیا ہے کہ کسی شخص کی غیر حاضری کی حفاظت کرنے کے کچھ معنی نہیں، لیکن مجازی معنی مراد لینے کے لیے جس قرینے کی ضرورت ہوا کرتی ہے، وہ بہر حال یہاں موجود نہیں ہے۔

تیسری یہ کہ ہمارے ترجمے کے لحاظ سے 'حٰفِظٰتٌ' کا فاعل بیویاں ہیں اور اس کا مفعول 'اَلْغَیْب'، یعنی شوہروں کے راز ہیں اور اس پر آنے والا حرف 'ل' اصل میں اس کے مفعول ہونے ہی کو واضح کر رہا ہے۔ لیکن مذکورہ راے میں اس کے بجاے ایک دوسرے مفعول کو محذوف مان لیا گیا ہے اور اس بات کی کوئی وجہ نہیں بیان کی گئی کہ اصل مفعول کو کیوں چھوڑ دیا گیا اور اسے کیوں فرض کر لیا گیا ہے؟

چوتھی یہ کہ بیویوں کو شوہروں کے مال اور ان کی اپنی عزت کے بارے میں ہدایات دینے کا اس سیاق میں اصلاً کوئی موقع نہیں ہے۔ پہلی بات کا اس لیے نہیں کہ وہ دین کی عمومی تعلیم ہے اور ہر ایک کو اپنے تصرف میں دیے ہوئے مال کی حفاظت کرنا ہی ہے اور دوسری کا اس لیے نہیں کہ عورت بیاہی ہو یا اَن بیاہی، ہر دو صورت میں اسے اپنی عزت و ناموس کے بارے میں محتاط رہنا ہی ہے۔ اس کے بجاے مرد کی قوامیت اور اس کے تقاضوں کے سیاق میں بتانے کی اصل بات تو یہی ہے کہ عورت خاندان کے ادارے میں چونکہ ایک اجنبی کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ایک کامل فریق کی حیثیت سے داخل ہوتی، اس ادارے کو اپناتی اور اس کے ہر نفع ونقصان کو اپنا نفع اور نقصان خیال کرتی ہے، اس لیے اشد ضروری ہے کہ وہ اس کے ہر بھید کی امین اور اس کے ہر راز کی محافظ ہو۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org